أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا ۚ إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ
قَوْلًا عَظِيمًا ع وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا ط وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا
نُفُورًا ۝ قُل لَّوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ۝

پس کیا چن لیا ہے تمہیں تمہارے رب نے بیٹوں کے لئے اور (اپنے لئے) بنا لیا ہے فرشتوں کو بیٹیاں (صد افسوس) تم تو ایسی بات کہہ رہے ہو جو بہت سخت ہے * اور بلاشبہ ہم نے مختلف انداز سے بار بار بیان کیا ہے (دلائل توحید کو) اس قرآن میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں (مگر ہیں یہ) سوائے نفرت کے ان میں کسی چیز کا اضافہ نہ ہوا * آپ فرمائیے اگر ہوتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا جس طرح یہ کافر کہتے ہیں تو ان خداؤں نے (مل کر) تلاش کرلی ہوتی عرش کے مالک (پر غالب آنے کی) کوئی راہ۔ (١٧/ ٤٠ تا ٤٢ * ت: ص)

٤٠۔ ان ملعون جھوٹے مشرکین کی تردید ہو رہی ہے جو اپنے زعم میں فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھتے تھے اور فرشتے تو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ مشرکین یعنی اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھ کر پھر ان کی پرستش کرنے لگے چنانچہ تینوں مقامات میں وہ بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مذمت کرتے ہوئے اور ان پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرماتا ہے ... کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیٹوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور تمہارے گمان کے مطابق اپنے لئے بیٹیاں منتخب کرلی ہیں۔ پھر شدید انکار کرتے ہوئے فرمایا .... تم بڑی سنگین اور سخت بات کر رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ پھر اولاد بھی بیٹیاں جنہیں تم نحوست کے باعث اپنے لئے ناپسند کرتے ہو بلکہ بعض اوقات انہیں زندہ درگور کرکے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہو یہ کیسی نادان حرکت اور مشرکانہ فعل اور ظالمانہ تقسیم ہے (بحوالہ تفسیر ابن کثیر ت)

٤١۔ ہم نے اس معنی کو کئی وجوہ سے قرآن میں ثابت کیا ہے۔ یا یہ معنی کہ ہم نے قرآن حکیم میں عبرتوں، حکمتوں، مثالوں، احکام، دلائل اور تذکرہ کو متعدد بار مختلف اسلوب میں بیان کیا ہے۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ھذا القرآن سے مراد اس نسبت کا ابطال ہو جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی کرتے تھے جیسے صرف یہ کہ اللہ کی بیٹیاں ہیں یعنی یہ قول ہم نے گزشتہ سے بیان کیا تاکہ ان کی یہ نسبت غلط ہے صرفنا کی تشدید تکثیر یعنی کثرت پر دلالت کرنے کے لئے ہے * نصیحت حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات منسوب نہ کریں جو اس کی عظیم شان کے لائق نہیں ہے اور جو انہیں حکم ملا ہے اس کی پیروی کریں اور جس چیز سے انہیں منع کیا گیا ہے اس سے باز رہیں۔ حمزہ اور کسائی نے لیذکروا ذال کے سکون اور کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور سورہ فرقان میں بھی اسی طرح پڑھا ہے

اور یہ ذکر سے مشتق ہوتا اس کا معنی بھی التذکر ہی ہے (مظہری۔ ت)

۴۲۔ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! المختصر حق کے اظہار اور باطل کے ابطال کے لئے دوسرے طریقے سے فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود ہوتے جیسے کہ تم (مشرکین) کہتے ہو اور اسے کا فرد ابتدائیہ بحث عقیدہ ہے اور یہ کاف محلاً منصوب ہے اس لئے کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ اس وقت وہ معبودانِ باطلہ طلب کرتے صاحبِ عرش یعنی وہ جو علی الاطلاق اس کا مالک اور ربوبیت کی طرف راستہ۔ غلبہ پانے اور اسے دور کرنے کے لئے یعنی تاکہ وہ ربِ حقیقی پر غلبہ پائیں اور اس پر غلبہ کیونکہ اپنے سے عیب و عجز کو دور کریں جیسا کہ بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر برتری کے طور پر غلبہ اور حملہ کیا کرتے ہیں اس دلیل سے کافروں کا منہ بند کیا ہے وہ اس طرح کہ ان کے معبودانِ باطل یا معبودِ حق سے بڑے ہیں یا اس کے برابر یا اس سے درجہ میں کم ہیں اگر وہ معبودِ حقیقی سے بڑے ہیں تو انہیں چاہئے تھا کہ وہ اس سے مقابلہ کرکے اس پر غلبہ پائیں اور ربوبیت سے عرش کی شاہی اس سے چھین لیں جیسا کہ بادشاہوں کی عادت ہے کہ وہ اپنے سے کمزور پر غلبہ پاکر ان سے شاہی چھین لیتے ہیں آیت میں برہانِ تمانع کی طرف اشارہ ہے جیسے اس آیت کو قیاس استثنائی بنا کر پھر اس سے نقیض تالی کا استثنا کیا گیا۔ اور اگر وہ معبودانِ باطلہ کے برابر ہیں تو پھر یہ نہیں ہو سکیں گے کہ ان کے برابر کا ایک کیسے حکومت و سلطنت کر رہا ہے جب کہ وہ اس کی طرح بہت بڑی جماعت موجود ہے اسی لحاظ سے وہ اس سے جھگڑیں اور اس سے شاہی و سلطنت چھین لیں اگر وہ اس سے درجہ میں کم ہیں تو ناقص الربوبیت کے قابل نہیں۔ اس وقت طلب کریں عرش کامل کے مالک فی الالوہیت کی طرف راستہ قدرت و عبودیت قربت کے لئے (ف) یہاں پر معبودے ان کے وہ ذوی العقول معبود مراد ہیں جیسی حضرت اپنے زعم فاسد سے معبود قرار کر رکھے تھے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ) (روح البیان۔ ت)

لغوی اشارے ★ اَصْفٰکُمْ: تم کو چن لیا۔ تم کو انتخاب کرلیا۔ اصفٰی اصفاءٌ سے جس کے معنی برگزیدہ کرنے اور منتخب کرنے کے ہیں۔ ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر ▲ اِنَاثًا: عورتیں، اُنثٰی کی جمع جس کے معنی عورت کے ہیں ▲ صَرَّفْنَا: ہم نے پھیر پھیر کر سمجھایا۔ ہم نے طرح طرح سے بیان کیا۔ تَصْرِیْفٌ سے جس کے معنی پھیرنے اور ظاہر کرنے کے ہیں ماضی کا صیغہ جمع متکلم۔ امام راغب فرماتے ہیں تصریف صرف ہی کی طرح ہے البتہ تکثیر میں فرق ہے (کہ تصریف کے معنی بہت پھیرنے کے آتے ہیں اور صرف کے معنی صرف پھیرنے کے) اور زیادہ تر یہ کسی شے کے ایک

حالت سے دوسری حالت کی طرف اور ایک امر سے دوسرے امر کی طرف پلٹنے اور تبدیل کرنے کے
ہوا جاتا ہے اور "تصریف الریاح" کے معنی ہیں ہواؤں کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف
پھرانا۔ تصریف الکلام (بات کو پھیر پھیر کر بیان کرنا، طرح طرح سے گفتگو کا بیان کرنا) ▲ نُفُوْرًا:
مصدر مجرور (نصر و ضرب) معنا نفار، دور ہونا، مراد حق سے دور ہونا "قرآن، ایمان، اسلام، ہدایت سے دور ہونا (ل ق)

مشرکین کو تنبیہ ہو رہی ہے کہ

مفہومات مزید ★ یہ خلاف حقیقت و حکمت بات کس طرح کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کرتے
ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے اس میں بھی اپنی برائی رکھتے ہو کہ بیٹے تو اپنے لیے پسند کرتے ہو اور اس کے لئے
بیٹیاں تجویز کرتے ہو۔ یہ شرک بھی ہے اور کتنی بے ادبی اور گستاخی ہے ● قرآن مجید میں ہم نے ہر ایک قسم
کی بات وعظ و پند و احکام دنیا و آخرت بیان کر دیے تاکہ وہ سمجھیں اور غور کریں مگر ان ازلی
بدبختوں کو تو اس سے اور زیادہ نفرت ہوتی ہے ● آپ کہہ دیجئے اگر اس کے ساتھ اور بھی معبود
ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اس حالت میں عرش والے تک اب تک راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا یعنی
اگر ان کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خدا ہوتے تو بادشاہوں کے دستور کے موافق وہ عرش
والے خدا سے لڑتے اور غالب آنے کی کوشش کرتے (مظہری) اگر دو خدا ہو جاتے تو باہم ٹکراؤ ممکن ہوتا اور
دونوں کا تصادم ہے ایک کا مغلوب اور دوسرے کا غالب آنا یا دونوں کا مغلوب نہ ہونا ضروری
ہے اس طرح ایک غالب ہوتا یا دونوں عاجز ہو جاتے اور عاجز ہونا شان الوہیت کے خلاف ہے
اسی طرح مغلوب بھی خدا نہیں ہو سکتا۔ س م ح ش

۳ مشرکین کو تنبیہ ہو رہی ہے کہ

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝

پاک ہے وہ (اللہ) اور کہیں برتر ہے اس سے کہ جو لوگ کہتے ہیں * اس کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی بھی ان میں موجود ہیں اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو حمد کے ساتھ اس کی پاکی نہ بیان کرتی ہو البتہ تم ہی ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو بے شک وہ بڑا حلم والا بڑا مغفرت والا ہے * اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ * ۱۷/۴۳ تا ۴۵ (ت: م)

۴۳۔ وہ پاک ہے اور وہ بہت برتر و بالا ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کیا کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والے مشرکین کی اس بات سے بہت برتر و بالا ہے کہ اس کے ساتھ دیگر معبود ہیں، بلکہ وہ تو یکتا اور بے نیاز ہے نہ اس کی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے (تفسیر ابن کثیر۔ ت)

● اور اگر اس معبود برحق کے ساتھ شامل ان لوگوں کے اور بھی معبود ہوتے تو الٰہوں نے الٰہی تک عرش والے تک اپنی قدر و منزلت کو پا لینے کو راستہ کو تلاش، اللہ تعالیٰ شانہ کی ذات بابرکت اولاد اور شریک سے پاک اور ان کی شرکیہ باتوں سے بہت زیادہ برتر اور ہر ایک چیز سے بلند ہے (تفسیر ابن کثیر۔ ت)

۴۴۔ تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جتنے ان میں ہیں اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو یعنی ہر چیز لوازم امکان، خصوصیات حدوث اور ان تمام امور سے اللہ کی ذات کے پاک ہونے کا اعتراف کرتی ہے جو شان الوہیت کے خلاف ہیں اور اللہ کے جمال ذات، کمال صفات اور انعامات متواترہ کا [illegible] زبان سے اقرار کرتی ہے جو اللہ نے خاص طور پر اس کو عطا فرمائی ہے اور اس کو سننا اور سمجھنا بھی دی ہے جس کے دل کو اللہ نے اس زبان و قول کو سننے اور سمجھنے کی قابلیت دی ہے * حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہم آیات (معجزات) کو برکت جانتے تھے اور تم لوگ ان کو خوف انگیزی کا سبب خیال کرتے ہو

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں ہمرکاب تھے پانی کی کمی پڑ گئی حضور علیہ السلام نے فرمایا جو کچھ بچا کھچا ہوا پانی ہو وہ میرے پاس لے آؤ صحابہ نے ایک برتن لاکر حاضر کر دیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا آپ نے دست مبارک اس میں ڈال دیا اور فرمایا برکت والے پاک (پانی) کی طرف آؤ اور برکت اللہ کی طرف سے ہے میں نے خود دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے بیچ میں سے پانی پھوٹ کر نکل رہا تھا اور کھانا کھایا جاتا تو کھانے کے اندر سے ہم سبحان اللہ کی آواز سنا کرتے تھے (یعنی کھانا سبحان اللہ کہتا تھا) رواہ البخاری۔ مجاہد کا قول ہے کہ ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے یعنی سبحان اللہ وبحمدہ کہتی ہے ✶ اے اکثر انسانو! تم ان کی تسبیح خوانی کو نہیں سمجھتے مطلب یہ ہے کہ تم ان کی تسبیح قالی کو نہیں سمجھتے (تسبیح حالی کو تو تمام عقلمند انسان سمجھتے ہیں کون دانشور مصنوع کو بغیر صانع کے اور مخلوق کو بغیر خالق کے اور اثر کو بغیر مؤثر کے کہہ سکتا ہے) ہاں مشرک جو ساکور بصیرت اور دماغی نابینا ہوتے ہیں (وہ تسبیح حالی کو بھی نہیں سمجھتے) (حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا جانوروں کے منہ پر نہ مارا کرو ہر چیز اللہ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے۔ میمون بن مہران کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں ایک کوا پیش کیا گیا جس کے بازو پھیلے ہوئے تھے آپ نے اس کے بازوؤں کو پھیلایا اور فرمایا کسی شکار کو نہیں شکار کیا جاتا اور کسی درخت کو بھی نہیں کاٹا جاتا مگر اسی وقت جب کہ وہ تسبیح خوانی کھو چکا ہو۔ زہری کی روایت سے اسی طرح منقول ہے (ازالۃ الخفاء) ✶ بلاشبہ اللہ حلم والا اور بخشنے والا ہے گناہ کی سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اور جو توبہ کرتا ہے اس کو بخش دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری۔ ت)

۴۵۔ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم کر دیتے ہیں آپ کے اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یعنی کفار بلکہ جو قیامت میں اٹھنے کے منکر تھے ایسی آڑ جو یعنی آپ کی نبوت اور آپ کی قدر و منزلت کی معرفت تک پہنچنے نہ دے گی اسی وجہ سے وہ خرافات کرتے کہہ دیتے ہیں "تم تو ایک جادو کئے ہوئے آدمی کی تابعداری کر رہے ہو" ان کی حس سے پوشیدہ ہے یعنی وہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے ✶ کیوں کہ جب وہ حجاب کو نہیں دیکھتے تھے تو محجوب کو کیسے دیکھ سکتے اسی لئے آپ ان کے ایذا سے محفوظ رہتے ہیں لیکن یہ معاملہ دائمی نہیں تھا جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے (روح البیان۔ ت)

● جب آیت "تبت یدا" نازل ہوئی تو ابولہب کی عورت پتھر لے کر آئی۔ حضور علیہ السلام حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تشریف رکھتے تھے اس نے حضورؐ کو نہ دیکھا اور حضرت صدیق اکبرؓ سے کہنے لگی تمہارے آقا کہاں ہیں مجھے معلوم ہوا ہے انہوں نے میری ہجو کی ہے حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا وہ شعر گوئی

نہیں کرتے ہیں تو وہ یہ کیسی ہوتی واپس ہو گی کہ میں (اپنی طرف پہچانے) یہ پتھر لائی تھی۔ حضرت صدیق اکبر نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا اس نے حضور کو نہیں دیکھا۔ فرمایا: میرے اور اس کے درمیان ایک فرشتہ حائل رہا اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ (بحوالہ حاشیہ کنز الایمان)

لغوی اشارے ✶ تُسَبِّحُ: وہ تسبیح کرتا ہے وہ پاکی بیان کرتی ہے۔ تسبیح سے جس کے معنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کے ہیں۔ مضارع کا صیغہ واحد مؤنث غائب ▲ تَفْقَهُوْنَ: تم سمجھتے ہو (سمجھ) فِقْهٌ سے جس کے معنی سمجھنے اور دریافت کرنے کے ہیں، مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر، راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ علم شاہد کے ذریعہ علم غائب تک پہنچنے کا نام "فقہ" ہے۔ فقہ علم سے اخص ہے، اور اصطلاح شریعت میں فقہ احکام شریعت کے علم کو کہتے ہیں۔ اول معنی میں جب اس کا استعمال ہوتا ہے تو باب سمع سے آتا ہے اور مصدر فِقْهٌ اور فَقَهٌ اور جب دوسرے معنی میں آتا ہے تو باب کرم سے استعمال ہوتا ہے اور مصدر فَقَاهَةٌ آتا ہے ▲ حِجَاب: پردہ، اوٹ، ملنے سے روکنا، مصدر ہے حُجُبٌ جمع آیت شریفہ "وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ" (اور دونوں کے بیچ میں پردہ ہے) یہ حجاب ایسا پردہ مراد نہیں ہے جو دیکھنے سے روک دے بلکہ وہ آڑ مراد ہے جو جنت کی لذت و نعمت کو دوزخیوں تک پہنچنے سے مانع ہے ▲ مَسْتُوْرًا: اسم مفعول واحد مذکر، سَتْرٌ مصدر، باب نصر چھپایا ہوا۔ اس جگہ عموماً اہل تفسیر کے نزدیک مستور بمعنی ساتر ہے اسم مفعول، اسم فاعل کے معنی میں مستعمل ہے یعنی چھپانے والا۔ سِتْرٌ پردہ ستور جمع سُتْرَةٌ ڈھال، سُتْرَةٌ آڑ، لباس۔ سُتُرٌ مصدر باب نصر ڈھانپنا، چھپانا، سوال سے باز رکھنا کسی کام پر خوف (ل ق)

مفہومات مزید ✶ ایسے قول و عمل کا صدور جو ذات حق کی تنزیہ پر دلالت کرے اس تقریر پر لفظ تسبیح مشترک لفظ ہے کہ ہر وہ شے جو اللہ تعالیٰ سے نقائص حدوث و امکان کا دفعیہ کرے اسے تسبیح کہا جاتا ہے خواہ وہ مقال سے متعلق ہو یا حال سے۔ سلف صالحین کا ماننا ہے کہ آیت میں ہر وقت ہر تسبیح حقیقی ہے اور یہی صحیح تر ہے کہ جب ہم مانتے ہیں کہ جمادات بھی گفتگو کرتے ہیں تو ان کی تسبیح بھی مقالی ہونی چاہیئے ✶ احادیث سے پتھر کا صلوٰۃ وسلام پڑھنا ثابت ہے ○ تسبیح الطعام ○ انسانی اعضاء کی قیامت میں گواہی ○ حضرت داؤد کے ساتھ پہاڑوں کی تسبیح ○ ذی حیات و جمادات کی تسبیح ○ خشک ٹہنی ○ درختوں کے پتے ○ وحشی پرندوں کی تسبیح ○ جبل ○ (ہ) دروازوں کی آوازیں ○ درخت کے ستون ○ استن حنانہ ○ کنکروں کی تسبیح ○ کبوتروں کی تسبیح کے متعلق اہل علم نے روایات جمع کی ہیں ▲ ہر شے کی اپنی خصوصیت ہے اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ حلیم ہے تمہاری غفلت اور سستی سے درگزر فرماتا ہے۔

(س م ع ش)

وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝

اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف ڈال دیے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ٹینٹ (گرانی پیدا کر دیتے ہیں) اور جب تم قرآن میں اپنے اکیلے رب کو یاد کرتے ہو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں نفرت کرتے ✱ ہم خوب جانتے ہیں جس لیے وہ سنتے ہیں جب تمہاری طرف کان لگاتے ہیں اور جب آپس میں مشورہ کرتے ہیں جبکہ ظالم کہتے ہیں تم پیچھے نہیں چلے مگر ایک ایسے مرد کے جس پر جادو ہوا ✱ دیکھو انہوں نے تمہیں کیسی تشبیہیں دیں تو گمراہ ہوئے کہ راہ نہیں پا سکتے ✱ (ت۔ک ۴۶ تا ۴۸/۱۷)

۴۶۔ اکنۃ کنان کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ پردہ ہے جو دل کو ڈھانپ لیتا ہے یعنی ہم ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ قرآن کریم سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں ثقل اور گرانی پیدا کر دیتے ہیں جس کے باعث وہ قرآن کریم اس طرح نہیں سنتے کہ وہ انہیں فائدہ پہنچائے اور ہدایت کی راہ پر گامزن کرے، ان کی تو یہ حالت ہے "جب آپ تلاوت قرآن کرتے وقت صرف اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور "لا الٰہ الا اللہ" کی ندا دیتے ہیں تو یہ نفرت سے پیٹھ پھیر کر اور روگردانی کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ نفور نافر کی جمع ہے جیسے قعود، قاعد (بیٹھنے والا) کی جمع ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ غیر فعل کا مصدر ہو۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: "اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے" (الزمر-۴۵) قتادہؒ کہتے ہیں جب مسلمان لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں تو مشرکین کو یہ کلمہ سخت ناپسند لگتا اور ان پر بہت گراں گزرتا۔ ابلیس اور اس کے لشکر نے اس کلمہ کو دبانے کی بھرپور کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ وہ اسے عام کرے، اعلیٰ و ارفع بنائے اور منکرین پر اسے غلبہ عطا فرمائے۔ یہ ایسا کلمہ ہے کہ جس نے اس کی مدد سے جھگڑا کیا وہ فلاح پا گیا اور جس نے اس کی حمایت سے مقاتلہ کیا اسے مدد اور تائید الٰہی حاصل ہوتی۔ یہ وہ کلمہ ہے جسے وسیع و عریض جزیرہ عرب کے لوگ نہ پہچانتے تھے اور نہ اس کا

اقرار کرتے تھے لیکن یہ سارے جزیرہ میں پھیل گیا اور تمام عرب اس سے روشناس ہو گئے (طبری)۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد شیاطین ہیں جو روگردانی کر کے مخالف کھڑے ہوتے ہیں اگرچہ یہ بات درست ہے کہ شیاطین اس وقت مخالف کھڑے ہوتے ہیں جب قرآن کی تلاوت کی جائے یا اذان دی جائے یا اللہ کا ذکر کیا جائے لیکن اس آیت کی یہ تفسیر بہت اوکھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر۔ ت)

۴۷۔ "ہم خوب جانتے ہیں جس کے لئے وہ سنتے ہیں" یعنی سنتے بھی ہیں تو تمسخر اور تکذیب کے لئے "جب تمہاری طرف کان لگاتے ہیں اور جب آپس میں مشورہ کرتے ہیں جب کہ ظالم کہتے ہیں تم پیچھے نہیں چلے مگر ایک ایسے مرد کے جس پر جادو ہوا" تو بعض ان میں سے آپ کو مجنون کہتے ہیں بعض ساحر بعض کاہن، بعض شاعر (صدر الافاضل بر حاشیہ کنز الایمان)

● جس وقت یہ لوگ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے یہ سنتے ہیں یعنی جس سبب سے اور جس استہزائیہ طریقے سے وہ قرآن سنتے ہیں اور آپ کا اور قرآن کا مذاق اڑانے کے لئے آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، ہم اس سے بخوبی واقف ہیں اور جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں جب کہ یہ ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ محض ایسے شخص کا ساتھ دے رہے ہو جو جادو زدہ ہے۔ یعنی جب آپ کی طرف کان لگا کر قرآن سنتے ہیں تو ہم ان کی اس غرض کو جو وہ دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں خوب جانتے ہیں یا یہ مطلب کہ جب وہ باہم کانا پھوسی اور سرگوشیاں کرتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کیا باتیں کہہ رہے ہیں۔ الظّٰلِمُوْنَ سے مراد ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سحر زدہ قرار دینا آپ پر ظلم تھا اور ولید بن مغیرہ وہ اس ظلم کے مرتکب تھے (تفسیر مظہری۔ ت)

۴۸۔ انھیں دیکھیئے کہ آپ کی کیسی مثالیں دی ہیں تو حجہ صحیحہ کے طریقہ سے ہٹ کر اپنی مثالیں بیان کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو رہے ہیں وہ کوئی راہ نہیں پا سکتے کہ جس سے وہ آپ پر طعن و تشنیع کر سکیں کہ جیسے کوئی بھی ان کی باتوں کے ماننے کے لئے تیار نہیں اسی لئے وہ حیران و سرگردان رہتے ہیں بلکہ جب چلتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاملات میں سخت پریشان ہیں اور ان کی پریشانی کا یہ عالم ہے کہ انھیں اپنے معاملہ کو سر کرنے کا کوئی چارہ نظر نہیں آتا بلکہ ان سے ایسے امور سرزد ہو جاتے ہیں کہ جن کے بطلان میں کسی کو شک اور وہم و گمان نہیں۔ (روح البیان۔ ت)

لغوی اشارے ✱ اَكِنَّةً: پردے، غلاف، کنانٌ کی جمع جس کے معنی پردہ اور غلاف کے ہیں ▲ اٰذَانِهِمْ: ان کے کان۔ آذان مضاف ھم ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ ▲ وَقْرًا: اسم مصدر منصوب۔ ثقل گرانی، بہرہ پن ▲ نَجْوٰى: اسم نکرہ سرگوشی، سرگوشی کرنے والے (ل ق)

مفہومات مزید ✱ اول تو مکہ کے مشرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن کریم سنتے ہی نہ تھے اور جو
کبھی مجلس میں مجبور تھے تو اس غرض سے کہ کچھ اس میں سے یاد کریں تاکہ پھر اس پر تمسخر اور ہنسی کریں (ح)
اور پھر آپس میں دس دس پانچ پانچ جمع ہو کر سرگوشیاں کرتے اور یہ کہتے تھے کہ یہ لوگ جو اس نبی کے
تابع ہو رہے ہیں احمق ہیں اور طرح طرح کی باتیں کیا کرتے تھے ● کفار و مشرکین، حق و ارشاد سے ایسے
منحرف تھے ہیں (ہر) کہ اب انہیں حق کی طرف لوٹنے کی راہ نہیں ملتی کیونکہ وہ انکار و گمراہی کی حد کو پہنچ چکے
ہیں اس کی دراصل وجہ یہ تھی کہ وہ خواہشات نفسانی میں مست ہو رہے تھے اسی لئے وہ بناوٹی قصوں
کے سننے کا شوقین تھے بلکہ ان کو سوائے کفر و شرک کے سننے کے اور کوئی کلام اچھا نہ لگتا اگر وہ خواہشات
نفسانی سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی توفیق کے مطابق سنتے تو لازماً انہیں کلام الٰہی سنائی دیتا اور صفائے حق
کو بڑے ذوق سے سنتے اس کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے فطری مزاج بگڑ چکے تھے اور ان کے دلوں
میں برائی کا مرض گھر کر چکا تھا اسی لئے وہ ذکر واحد، احد کی وحدانیت و وحدت کے سننے سے متنفر
تھے اور توحید کی حلاوت پا ہی نہیں سکتے تھے بلکہ وہ ذکر الٰہی سننے میں اپنی بد مزاجی کی وجہ سے
کڑواہٹ پاتے تھے ● کفار و مشرکین جو کچھ بھی گستاخانہ باتیں کہتے اور نازیبا تشبیہیں دیتے تو یہ
اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حق دشمن اور گمراہ ہیں اور ہمیشہ کیلئے راہ حق و صداقت سے محروم ہوگئے

س م ح ش

وَقَالُوٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِيۡدًا ۝ قُلۡ
كُوۡنُوۡا حِجَارَةً اَوۡ حَدِيۡدًا ۝ اَوۡ خَلۡقًا مِّمَّا يَكۡبُرُ فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ ۚ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ
مَنۡ يُّعِيۡدُنَا ؕ قُلِ الَّذِىۡ فَطَرَكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنۡغِضُوۡنَ اِلَيۡكَ
رُءُوۡسَهُمۡ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلۡ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ قَرِيۡبًا ۝

اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ✱ (سوائے ہی ان سے) کہہ دو خواہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا ✱ یا اور کوئی شے جو تمہارے دلوں میں بڑی ہو (تب بھی زندہ کئے جاؤ گے) اس پر وہ کہیں گے کہ ہم کو کون دوبارہ جلائے گا کہہ دو وہی جس نے تم کو اول بار پیدا کیا ہے پھر تو آپ کے آگے سر ہلا ہلا کر یہ کہیں گے کہ وہ کب ہوگا کہہ دو شاید وہ وقت بھی بہت ہی قریب آگیا ہو (۱۷/۴۹ تا ۵۱ ✱ ت: ج)

۴۹ - یہ کہ ان کافروں نے کہا جو قیامت میں اٹھنے کے منکر تھے اور وہ اپنی ابتدائی تخلیق کو بھول گئے اور انہیں یاد نہ رہا کہ وہ مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں بلکہ عدم سے وجود میں لائے گئے ہیں اس معنی پر وہ لاشے سے پیدا ہوئے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا

● .... اور میں نے تو اس سے پہلے تمہیں اس وقت بنایا جب تو کچھ بھی نہ تھا۔ (۹/۱۹) اور ان کا یہ کہنا بطریق انکار اور بعید از قیاس کے طور پر تھا۔ اتنا بہت بڑا عرصہ گزر جانے کے باوجود کیا موت کے بعد ہم زندہ ہوں گے ہڈیاں ہو وہ شے جسے خوب کوٹ کر ریزہ ریزہ کیا جائے۔ کیا ہم اٹھائے جائیں گے نئی مخلوق بنا کر۔ اس کا منصوب ہونا۔ علی المصدریۃ یعنی بوجہ مفعول مطلق ہونے کے ہے اور اس کا فعل عامل اس کے لفظوں میں سے نہیں یا حال ہے اور خلق بمعنی مخلوق ہے اور اذا خاص ظرفیہ ہے یہی زیادہ قوی ہے اور اس کا مبعوثون کا مدلول ہے اور خود عامل نہیں اس لئے کہ اسم مفعول سے پہلے ہمزہ اور اِنَّ اور لام واقع ہیں اور ان کے ہوتے اسم مفعول عمل کے قابل نہیں رہتا اور مبعوثون کا مدلول نبعث اور نبعد ہے اس سے کفار کا مقصد مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرنا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ کفار کہتے ہیں کہ ہمارا مرنے کے بعد زندہ ہونا محال ہے اور اسے عقل بھی نہیں مانتی اس لئے کہ مرنے کے بعد انسان کا ڈھانچہ بکھر جاتا اور اس کی ہڈیاں چورا چورا ہو جاتی ہیں اور یہ دونوں چیزیں حیات کے منافی ہیں اور اسے قیامت میں مستبعد کرنا

حضرت نبی علیہ السلام کے قیامت سے ڈرانے کی وجہ سے تھا ورنہ وہ مطلقاً مرنے کے بعد زندہ ہونے کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ مرنے کے بعد اگرچہ بدن صحیح و سالم ہو تب بھی وہ زندہ نہیں ہو سکتا تھا اس لئے انہوں نے قیامت میں اٹھنے کے وعدہ اور بیان کئے گئے زندگی کے سراسر منافی ہیں (روح البیان۔ ت)

۵۰۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ان سے فرما دیجئے کہ تم پتھر یا پتھر سے سخت یا لوہے سے بھی زیادہ مضبوط ہو کر دیکھو پھر بھی تمہیں مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا (تفسیر ابن عباس۔ ت)

۵۱۔ یعنی پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ یا کوئی اور اس سے بھی بڑھ کر ایسی چیز بن جاؤ جو تمہارے خیال میں قبول حیات سے بہت دور ہو مثلاً آسمان، زمین، پہاڑ وغیرہ کچھ بھی ہو جاؤ، مرنے کے بعد کچھ بھی بن جانا فرض کر لو تم کو ضرور زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اعراض (یعنی مختلف احوال) کو قبول کرنے میں تمام اجسام برابر ہیں (ہر جسم عرض یعنی مختلف کمیت کیفیت وغیرہ کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے) تو بوسیدہ ہڈیاں ہو جانے کے بعد از سر نو زندہ ہو جانا تو زیادہ دشوار نہیں ہے ہڈیاں تو پہلے زندہ ہی تھیں۔ تر و تازگی کے بعد ان میں خشکی آتی ہے۔ جس میں ایک بار تازگی ہو چکی ہے اس کا دوبارہ تازگی قبول کرنا آسان ہے۔ "کونوا حجارۃ۔ الخ" سے مراد امر تکلیفی نہیں ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ تم کو پتھر یا لوہا بن جانا لازم ہے یا اس کا تم کو اختیار ہے بلکہ مراد امر تقدیری ہے یعنی فرض کر لو کہ تم پتھر ہو جاؤ گے یا لوہا بن جاؤ گے یا کسی اور اس سے بھی زیادہ چیز میں تبدیل ہو جاؤ گے اور جو تمہارے سینوں میں آتے آتے بڑھ جاؤ گے جو تمہارے خیال میں زندگی سے بہت ہی زیادہ دور ہے* سو (یہ بات سن کر) وہ کہیں گے کہ (مرنے کے بعد) دوبارہ ہم کو زندہ کرے گا کون (یعنی مان لیا کہ ہر جسم قبول حیات کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر جسم میں ہر عرض کے توارد کی قابلیت ہے لیکن ہر جسم پر ہر عرض آتا تو نہیں ہے جب تک کوئی موثر نہ ہو محض صلاحیت و استعداد تو اس کے لئے کافی نہیں ہے کسی زبردست موثر اور فاعل کی ضرورت ہے اور ایسا کرنے والا ہمیں کوئی نظر نہیں آتا) آپ کہہ دیجئے کہ جس نے تم کو اول بار پیدا کیا (اس کی قدرت تم کو معلوم ہو چکی ہے) وہی دوبارہ تخلیق کرے گا (پہلے تو تم تھے ہی نہیں زندگی کو قبول کرنے سے بہت دور اور مرنے کے بعد دوبارہ کرنے میں فقط پچھلی حالت کو لوٹا کر لانا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم محض سے وجود میں لانا معدوم کو نئے سرے سے وجود کر دینے سے زیادہ دشوار ہے)۔ یہ سن کر وہ تمہارے سامنے (تعجب یا استہزاء کے طور پر) سر ہلا کر کہیں گے اچھا تو ایسا ہو گا کب یعنی ہم مان لیں کہ دوبارہ زندہ ہو جانا ناممکن نہیں ہے اور یہ بھی مان لیں کہ جس نے اول بار پیدا کیا ہے وہی دوبارہ پیدا کر سکتا ہے) تو یہ بتاؤ کہ دوسرا

زندگی کب ہوگی (اس میں تاخیر کیوں ہے؟ کروڑوں مر گئے اور آج تک کوئی دوبارہ زندہ ہو کر نہیں آیا یہ تاخیر کیوں ہو رہی ہے) آپ کہہ دیجئے کہ امید ہے (ہو سکتا ہے) کہ دوسری زندگی قریب ہی ہو (آخر دوسری زندگی ہوگی ضرور اور جو چیز آئندہ ضرور ہونے والی ہے وہ قریب ہی ہے) یا یہ مطلب ہے کہ قریب اور تھوڑے وقت میں ہی ایسا ہو جائے گا یا یہ مطلب ہے کہ ابتداء تخلیق عالم سے دوسری زندگی زیادہ دور نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری۔ ت)

لغوی اشارات ★ عِظَامًا: ہڈیاں عَظْمٌ کی جمع جیسے کہ سِهَامٌ سَهْمٌ کی جمع ہے ▲ رُفَاتًا: بوسیدہ، گلا سڑا، چورا چورا۔ ہر چیز خشک گھاس کی طرح بوسیدہ ہو کر چورا چورا ہو جائے، رفات کہلاتی ہے۔ رفت سے مشتق ہے جس کے معنی چورا چورا کرنے اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کے ہیں ▲ حَدِیدًا: تیز، لوہا، حدید لوہے کو بھی کہتے ہیں اور نیز ہر وہ چیز جو بذاتہ یا بگاہ سے خواہ باعتبار خلقت کے خواہ باعتبار معنی کے حدید کہلاتی ہے۔ اس صورت میں یہ حِدَّةٌ سے جس کے معنی تیز ہونے کے ہیں۔ بروزن فعیل صفت مشبہ کا صیغہ ہے ▲ یَکْبُرُ: واحد مذکر غائب مضارع کُبْرٌ اور کِبَرٌ مصدر (کرم) وہ بڑا ہو یعنی اس کا زندہ ہونا دشوار ہو ▲ یُنْغِضُونَ: جمع مذکر غائب مضارع (نَغْضٌ مصدر (افعال) وہ ہلاتے ہیں۔ (لغات القرآن)

معلومات مزید ★ ایام جاہلیت میں لوگوں کو بڑی دہشت و حیرانی عقیدہ آخرت سے تھی وہ اس بات پر تعجب کیا کرتے تھے کہ ایک بار مر جانے کے بعد انسان دوبارہ کیسے زندہ ہو سکتا ہے ● قرآن حکیم نے واضح کر دیا کہ چاہے کوئی حیران رہے یا متعجب نظام قدرت اٹل ہے کہ ہڈیوں کے چورا ہو جانے کے باوجود اللہ تعالیٰ از سر نو پیدا فرما کر جمع کرے گا خواہ وہ پتھر یا لوہا کی طرح سخت ہو جائیں پھر بعد مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا ● قیامت کا وقت قریب ہے لہٰذا اس کا حساب اور جزا و سزا بھی قریب ہے۔

(سید ح ش)

يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ۝

وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ ۚ

إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ۝ رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ۖ

إِن يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ أَوْ إِن يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ ۚ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝

اس دن کو یاد کرو جب تمہیں اللہ تعالیٰ بلائے گا سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہو گے کہ تم نہیں ٹھہرے (دنیا میں) مگر تھوڑا عرصہ ٭ اور آپ حکم دیجئے میرے بندوں کو کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں جو بہت عمدہ ہوں بے شک شیطان فتنہ و فساد برپا کرنا چاہتا ہے ان کے درمیان یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ٭ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے۔ اگر چاہے تو تم پر رحم (و کرم) فرمادے اور اگر چاہے تو تمہیں سزا دے اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر (تاکہ ان کے کفر کے لئے آپ جوابدہ ہوں) (۱۷/۵۲ تا ۵۴ ٭ ت۔ جن)

۵۲۔ تم سب اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہو گے اور اس کے ارادہ کی اطاعت کرو گے۔ حضرت ابن عباسؓ اور ابن جریجؒ کے نزدیک یہاں حمد سے مراد امر ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں اس سے مراد معرفت اور اطاعت ہے بعض دیگر محققین کا کہنا ہے کہ ہر حال میں اسی کے لئے حمد ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کو قبروں کے اندر کوئی وحشت نہیں ہوتی، گویا کہ میں لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اور لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہوئے اپنی قبروں سے اٹھ رہے ہیں ٭ "وتظنون" یعنی جب تم قبروں سے اٹھو گے تو تم یہ گمان کرو گے کہ تم دنیا میں تھوڑی مدت ٹھہرے ہو جیسا کہ متعدد مقامات پر اسے بیان کیا گیا ہے ● گویا وہ جس روز اسے دیکھیں گے (ایسا محسوس ہوتا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح (۷۹/۴۶) ● جس روز صور پھونکا جائے گا اور اس دن ہم مجرموں کو جمع کریں گے اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی چپکے چپکے آپس میں کہیں گے کہ نہیں رہے تم دنیا میں مگر دس دن۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جب کہ ان میں سب سے زیادہ زیرک کہے گا کہ نہیں ٹھہرے ہو تم مگر ایک دن (۲۰/۱۰۲ تا ۱۰۴) ● اور جس روز قیامت قائم ہو گی مجرم قسمیں اٹھائیں گے کہ وہ دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی یونہی وہ (پہلے بھی) غلط بیانی

کیا کرتے تھے (۳۰/۵۵) ● اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم زمین میں کتنے سال ٹھہرے رہے۔ کہیں گے ہم ٹھہرے تھے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ آپ سال گننے والوں سے پوچھ لیں۔ ارشاد ہوتا تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ کاش تم جان لیتے (۲۳/۱۱۲ تا ۱۱۴) (تفسیر ابن کثیر۔ ترجمہ)

۵۳۔ (اس آیت مبارکہ میں تین اہم پہلو ہیں ایک یہ کہ) "اور آپ حکم دیجیے میرے بندوں کو کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں جو بہت عمدہ ہوں" (دوسرا یہ ہے کہ) "بیشک شیطان فتنہ و فساد برپا کرنا چاہتا ہے ان کے درمیان" (اور تیسری حقیقت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ) "یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے" (پہلے ارشاد کی تفسیر و تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ) اسلام کی دعوت اور لا الہ الا اللہ کی دعوت بڑے نرم اور محبت بھرے لہجے میں دو۔ دلائل اور نصائح کے اظہار سے مزین ہو۔ مشرکین سے گفتگو کرتے وقت بھی کسی قسم کی درشتی اور غیر مہذب انداز نہ ہو ان جیسا ناشائستہ لہجہ تم ان کے مقابلہ میں نہ اپناؤ۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں مخالف کو فقط اتنا کہے یھدیک اللہ یعنی اللہ تجھے ہدایت دے۔ اور کفار و مشرکین سے ایسا انداز اپنانے کا حکم قتال کی اجازت سے پہلے کا ہے بعض محققین کا ارشاد ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کو کسی کافر نے برا بھلا کہا تھا تو اللہ نے آپ کو عفو کا حکم فرمایا بعض حضرات فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم فرمایا ہے کہ وہ بات کریں تو عمدہ اور عمل کریں تو اچھا (کریں) مفسرین کا کہنا ہے کہ احسن سے مراد کلمہ اخلاص ہے یعنی لا الہ الا اللہ (دوسرا پہلو اس طرح واضح فرمایا گیا ہے) نزغ کا معنی دو شخصوں کے درمیان شر و فساد برپا کرنا ہے یعنی تم ایسی بات نہ کرو کہ شیطان کو تمہارے درمیان عداوت اور فساد پھیلانے کا موقع مل جائے (تیسری بات کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ) شیطان انسان کا ایسا دشمن ہے کہ جس کی دشمنی ظاہر ہے۔ کفار کو راہ راست سے بھٹکا کر جہنم میں پہنچاتا ہے اور مومنین کو شرارت اور خونریز فساد تک لے جاتا ہے (تفسیر مظہری۔ ترجمہ)

۵۴۔ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے وہ چاہے تو تم پر رحم کرے" اور تمہیں توبہ اور ایمان کی توفیق عطا فرمائے "چاہے تو تمہیں عذاب کرے اور ہم نے تم کو ان پر کروڑا (وکیل) بنا کر نہ بھیجا" کہ تم ان کے اعمال کے ذمہ دار ہوتے" (کنزالایمان، حاشیہ صدر الافاضل)

● تمہارا رب تعالیٰ تمہیں خوب جانتا ہے اگر وہ چاہے تو تمہارے حال پر رحم فرما کر تمہیں ایمان کی توفیق بخشے یا چاہے تو تمہیں عذاب دے یعنی تمہیں کفر پر موت دے تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ھو اعلم یعنی اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جسے وہ اپنے لطف

اور رحمت کی صفت کا مظہر بناتا ہے اسی وجہ سے اس پر رحم فرما کر اسے شیطان کے اضلال اور
اغوا سے بچاتا ہے اور اسے بھی خوب جانتا ہے جسے وہ اپنے قہر اور عذاب کی صفت کا مظہر
بناتا ہے اسی وجہ سے اسے اضلال و اغوا کے عذاب میں مبتلا کرتا ہے (روح البیان۔ ترجمہ)

لغوی اشارے ✯ تَظُنُّونَ : تم جانوگے، تم گمان کروگے تم خیال کرتے ہو تم گمان کرتے ہو
ظَنٌّ سے مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر ▲ أَحْسَنُ : بہت اچھا۔ افعل التفضیل کا صیغہ ▲
يَنزَغُ : واحد مذکر غائب مضارع نَزْغٌ مصدر (فتح) فساد ڈلواتا ہے ▲ وَكِيلًا :
صفت مشبہ نکرہ منصوب۔ وَكْلٌ سے۔ کارساز، ذمہ دار، حمایتی، مختار، نگہبان (لغات القرآن)

مفہومات مزید ✯ پھر جب اللہ تعالیٰ قیامت میں اپنی عدالت میں طلب فرمائے گا تو تم زندہ ہو کر
حاضر ہو جاؤ گے (ج) اسی کی پاکی اور اس کے معبود حقیقی ہونے کا اعتراف کرتے اور اپنے شرک و معصیت
سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے یہ سمجھو گے کہ دنیا میں یا بعد مرگ حشر تک قبروں میں بہت ہی کم
ٹھہرے تھے ● اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے اہل ایمان بندوں سے کہہ دو جو کافروں
سے اچھا کلام کیجئے ہیں (ج) کہ شیطان ان کے درمیان فساد ڈلواتا ہے بے شک شیطان انسان کا
کھلا دشمن ہے ● اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جو کام آپ کے منصب اعلیٰ کا تھا یعنی دعوت حق
پہنچا دینا سو آپ نے اپنی یہ ذمہ داری بحسن وخوبی پوری فرما دی اگر یہ لوگ (ق۔ ض) اب بھی کفر و شرک
و معصیت و ظلم سے باز نہیں آتے تو آپ دلگیر نہ ہوں ان کے کفر و شرک کے آپ جوابدہ نہیں ہیں۔
(س م ح ش)

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝

اور آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داود (علیہ السلام) کو زبور (صحیفہ) عطا کیا ہے * آپ کہیے جن کو (اللہ) کے سوا (معبود) قرار دے رہے ہو ذرا ان کو پکارو تو بھی سو وہ تم سے تکلیف نہ دور کر سکتے ہیں اور نہ (اسے) بدل سکتے ہیں * یہ لوگ جن کو یہ (مشرکین) پکار رہے ہیں (خود ہی) اپنے پروردگار کا قرب (اپنے رب کی طرف وسیلہ "ض") ڈھونڈ رہے ہیں کہ (دیکھیں) ان میں کون زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں بے شک آپ کے پروردگار کا عذاب ہے بھی ڈرنے ہی کے قابل۔ (۱۷/۵۵ تا ۵۷ * ت: م)

۵۵۔ اور تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں "سب کے احوال کو اور اس کو کہ کون کس لائق ہے"۔ اور بیشک ہم نے نبیوں میں ایک کو ایک پر بڑائی دی "مخصوص فضائل کے ساتھ جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حبیب" اور داود کو زبور عطا فرمائی * زبور کتاب الٰہی ہے جو حضرت داود علیہ السلام پر نازل ہوئی اس میں ایک سو پچاس سورتیں ہیں سب میں دعا اور اللہ تعالیٰ کی ثنا اور اس کی تحمید و تمجید ہے۔ اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ حضرت داود علیہ السلام کا نام لے کر ذکر فرمایا گیا۔ مفسرین نے اس کے چند وجوہ بیان کئے ہیں ایک یہ کہ اس آیت میں بیان فرمایا گیا کہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی پھر ارشاد کیا کہ حضرت داود کو زبور عطا کی۔ باوجودیکہ حضرت داود علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ ملک بھی عطا کیا تھا لیکن اس کا ذکر نہ فرمایا اس میں تنبیہ ہے کہ آیت میں جس فضیلت کا ذکر ہے وہ فضیلت علم ہے نہ کہ فضیلت ملک و مال دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں فرمایا ہے کہ

محمد خاتم الانبیاء ہیں اور ان کی امت خیر الامم اسی سبب سے آیت میں حضرت داود اور زبور کا ذکر خصوصیت سے فرمایا گیا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہود کا گمان تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں اور توریت کے بعد کوئی کتاب نہیں۔ اس آیت میں حضرت داود علیہ السلام کو زبور عطا فرمانے کا ذکر کر کے یہود کی تکذیب کر دی گئی اور ان کے دعویٰ کا بطلان ظاہر فرما دیا گیا۔ غرض کہ یہ آیت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کبریٰ پر دلالت کرتی ہے۔ (کنز الایمان ۔ حاشیہ صدر الافاضل)

۵۶۔ آپ فرمایئے۔ اے مشرکین پکارو انہیں جن کو تم معبود سمجھتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا یعنی اللہ تعالیٰ سے متجاوز ہو کر دوسروں کو معبود بناتے ہو۔ پس وہ طاقت نہیں رکھتے تمہارے دکھ درد ٹالنے کی مثلاً مرض اور فقر اور قحط دور کرنا وغیرہ اور نہ ہی ان چیزوں کو تم سے منتقل کر کے دوسروں کو دے سکتے ہیں۔ (روح البیان ۔ ت)

- مشرکین دلائل توحید سن کر اپنے معبودوں کے فضائل بیان کیا کرتے تھے کہ وہ یوں کر سکتے ہیں اور یوں دے سکتے ہیں اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اچھا ان کو پکارو تو سہی۔ دیکھیں وہ تمہاری کون سی مصیبت میں کام آتے ہیں (تفسیر حقانی)

۵۷۔ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔ وہ خود اللہ کا قرب ایمان اور اطاعت کے ذریعہ سے چاہتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں وسیلہ خاص ہے وصیلہ عام۔ وصیلہ کا معنی ہے کسی چیز سے اتصال۔ اور وسیلہ کا معنی ہے رغبت کے ساتھ کسی چیز تک پہنچنا۔ "وسیلہ الی اللہ" سے مراد ہے علم اور عمل کے لحاظ سے اللہ کی قائم کی ہوئی راہ کی نگہداشت اور مکارم شریعت کے حصول کا ارادہ اور کوشش۔ گویا وسیلہ الی اللہ کا مرادی معنی ہوا قرب خداوندی۔ "وسیلہ اور واسطہ بادشاہ کے دربار میں خاص مرتبہ، درجہ، قربت۔ تَوَسَّلَ اِلَی اللّٰہِ تَوَسُّلًا کا معنی ہے ایسا عمل کیا کہ جس سے اللہ کے قرب میں پہنچ گیا"۔ (قاموس) * ان میں جو رب سے زیادہ قربت رکھنے والے ہیں وہ خود بھی وسیلہ کے طلب گار رہیں قربت نہ رکھنے والوں کا تو ذکر ہی کیا ہے (زجاج) بعض نے یوں کہا کہ وہ ایسے شخص کو طلب کرتے ہیں جو رب سے زیادہ اللہ کا مقرب ہوتا ہے اس کا وسیلہ پکڑتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ وہ اقرب الی اللہ ہونے کی بڑی شدت سے خواہش رکھتے ہیں یعنی کثرت طاعت کے سبب اللہ کے مقرب ترین بندے بن جانا چاہتے ہیں * جب وہ (جنہیں مشرک معبود گمان کرتے ہیں) خود ہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں تو کس بنیاد پر مشرک ان کو اپنا معبود قرار دیتے ہیں۔ "آپ کے رب کا عذاب حقیقت میں ہے ہی ڈرنے کی چیز" (تفسیر مظہری ۔ ت)

1665

لغوی اشارے ✶ زَعَمْتُمْ : تم نے بتایا، تم نے سمجھا، تم نے دعویٰ کیا۔ زَعْمٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر ▲ کَشْفَ : واحد، مذکر، غائب، ماضی معروف، دور کر دیتا ہے، زائل کر دیتا ہے ▲ تَحْوِیْلًا : تبدیلی، تغیر، تفاوت بر وزن تفعیلٌ مصدر ہے ▲ اَلْوَسِیْلَةَ : اسم۔ قرب نزدیکی، قرب کا ذریعہ (خطیب فی السراج) یعنی اطاعت (سیوطی) امام رازی نے لکھا ہے وسیلہ صفت کا صیغہ بر وزن فعیلہ ہے وسل الیہ سے ماخوذ ہے وسل کا معنی ہے تَقَرَّبَ قریب ہو گیا۔ (تفسیر کبیر) سیوطی فرماتے ہیں۔ وسیلہ وہ چیز ہے جو اللہ کے قریب تم کو پہنچا دے یعنی طاعت ▲ مَحْذُوْرًا : اسم مفعول واحد مذکر، ڈرنے کی چیز، قابل خوف، خوفناک، ڈر کر بچنے کی چیز (ل ق)

مفہومات مزید ✶ زبور صحائف آسمانی میں سے ایک صحیفہ جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ اس میں دعائیں، نصائح اور دانائی کی باتیں مذکور تھیں نئی شریعت کے احکام اس میں نہ تھے کیوں کہ حضرت داود علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے تابع تھے کسی یقینی دلیل کے بغیر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اہل کتاب کے پاس اس کا کوئی صحیح نسخہ موجود ہے کشاف کے اصطلاحات الفنون میں لکھا ہے کہ زبور بفتح فاء سریانی لفظ ہے جس کے معنی کتاب ہیں اہل عرب اس کو اپنی زبان میں اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں (م م ع) "زبور، زبر سے جس کے معنی لکھنے کے ہیں" "ہر وہ کتاب جس کی کتابت گاڑھی ہو" (اصفہانی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "زبور رمضان مبارک کی بارہ تاریخ کو نازل ہوئی (بروایت حضرت جابر بن عبداللہ۔ ابن مردویہ بحوالہ ابن کثیر)۔ مختصر یہ کہ زبور کو محرفین اہل کتاب نے بہت کچھ بدل ڈالا ہے (س م ح ش)

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا
شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ
اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً
فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ
رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِىْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً
لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِى الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ
اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝ ع

اور کوئی بستی نہیں مگر یہ کہ ہم اسے روز قیامت سے پہلے نیست کر دیں گے یا اسے سخت عذاب دیں گے یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے * ہم ایسی نشانیاں بھیجنے سے یوں ہی باز رہے کہ انھیں اگلوں نے جھٹلایا اور ہم نے ثمود کو ناقہ دیا آنکھیں کھولنے کو تو انھوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم ایسی نشانیاں نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کو * اور جب ہم نے تم سے فرمایا کہ سب لوگ تمہارے رب کے قابو میں ہیں اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو اور وہ پیڑ جس پر قرآن میں لعنت ہے اور ہم انھیں ڈراتے ہیں تو انھیں نہیں بڑھتی مگر بڑی سرکشی۔ (۱۷/۵۸ تا ۶۰ * ت: ک)

۵۸۔ جو بستی کفر و معصیت کرنے والی ہے ہم اس کو یا تو قیامت سے پہلے ہلاک اور تباہ کر دیں گے یا سخت عذاب دیں گے۔ مقاتل وغیرہ نے کہا: ہلاک کرنے سے مراد ہے مار ڈالنا، موت کو مسلط کر دینا یعنی بستی والے اگر مومن ہوں تو ہم ان پر موت مسلط کر دیں گے، زندگی ختم کر دیں گے اور اگر کافر ہوں تو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیں گے * حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: جب کسی بستی میں زنا اور سود پھیل جاتا ہے (یا علی الاعلان لوگ زنا کرتے اور سود کھاتے ہیں) تو اللہ اس بستی کو تباہ کرنے کا حکم دے دیتا ہے * الکتاب سے مراد ہے لوح محفوظ * حضرت عبادہ بن صامت راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب سے اول اللہ نے جس کو پیدا کیا وہ قلم تھا پھر اس سے فرمایا "لکھ"، "قلم نے کہا کیا لکھوں۔ فرمایا تقدیر کو لکھ، حسب الحکم قلم نے ہر اس چیز کو لکھا جو ہو چکی ہے یا ابد تک ہونے والی ہے (رواہ الترمذی)، ترمذی نے اس حدیث

I667

کا مسئلہ کو غریب کہا ہے ★ طبرانی اور حاکم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے اور طبرانی وابن مردویہ نے حضرت
ابن زبیر کے حوالہ سے الگ حدیث تفصیلاً اس طرح نقل کی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے درخواست کی کہ آپ کوہ صفا کو سونے کا کر دیجئے اور ان پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دیجئے تاکہ
(میدانی زمین نکل آئے اور) ہم اس میں کھیتی کریں۔ اللہ نے اپنے پیغمبر کے پاس وحی بھیجی کہ اگر آپ چاہیں
تو میں ان کی درخواست پوری کرنے میں ڈھیل کر دوں (ٹال دوں) اور آپ چاہیں تو ان کا سوال پورا
کر دوں لیکن سوال پورا کرنے کے بعد اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو میں ان کو اسی طرح تباہ کر دوں گا
جس طرح ان سے پہلے والوں کو تباہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کی نہیں
ان کو ڈھیل دے دیجئے (درخواست پوری نہ فرما) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیات ذیل نازل فرمائیں۔ (تفسیر مظہری۔ ت)
۵۹ ۔ ان لوگوں کے مطالبات کو پورا کرنا اور ان کے مطلوبہ معجزات دکھانا ہمارے لئے بالکل آسان
ہے ہمیں تو اس میں ذرا بھی دشواری نہیں لیکن بات یہ ہے کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسی ہی
نشانیاں اور معجزات طلب کئے تھے انہیں ان کی مطلوبہ نشانیاں دکھا دی گئیں پھر بھی وہ جھٹلانے
سے باز نہ آئے اور انہیں عذاب سے دوچار کر دیا گیا۔ سنت الٰہی یہ بھی ہے کہ مطلوبہ معجزات
اور نشانیاں دکھانے کے بعد مزید مہلت نہیں دی جاتی ★ قوم ثمود کو ایسی روشن نشانی (ناقہ)
عطا کی گئی جو اس کے خالق کی وحدانیت اور اس کے رسول کی صداقت پر واضح دلیل تھی جن کی دعا
دعا کو شرف قبولیت سے نوازا گیا لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا، اس کا انکار کیا اور اسے اپنی باری
پر پانی پینے سے روک دیا اسی پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اسے قتل کر ڈالا۔ اس کی پاداش
میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا، ان سے خوب انتقام لیا اور سخت پکڑ کی
قتادہ اس فرمان "وما نرسل بالآیت..." کے تحت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس قسم کی نشانیوں
سے چاہے لوگوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ عبرت اور نصیحت حاصل کر کے حق کی طرف رجوع کر لیں
★ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعودؓ کے زمانہ میں کوفہ زلزلہ کا شکار ہو گیا تو آپ نے فرمایا تھا۔
اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رضا جوئی کا حکم دے رہا ہے اس لئے اسے راضی کرو (تفسیر ابن کثیر۔ ت)
۶۰ ۔ (اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) یاد کیجئے جب کہ ہم نے آپ کو کہا، یعنی جب ہم نے
آپ کی طرف وحی بھیجی۔ بےشک آپ کا رب علم و قدرت کے لحاظ سے لوگوں پر محیط ہے
اس لئے کہ وہ سب اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اسی بنا پر آپ میرے احکام ان پر جاری فرمائیے
اور آپ کسی سے خوف نہ کیجئے ★ رؤیا سے یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ مشاہدات
مراد ہیں جو آپ نے شب معراج زمین و آسمان کے عجائبات معائنہ فرمائے اور اسے رؤیا سے

تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ رؤیا اور رویت ایک شے ہے (کذا فی الکواشی) درخت پر لعنت کا
مطلب یہ ہے کہ اس کے کھانے والے ملعون ہیں یہ مجازی ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ درخت رحمت باری سے دور ہے
اور اس سے زقوم کا درخت مراد ہے اور یہ جہنم کی جڑ سے پیدا ہوا اور یا ایسی جگہ پر ہوتا ہے جو رحمت حق
سے بہت دور ہوتی ہے * اور ہم انہیں ان سے اور ان جیسی اور آیات سے ڈراتے ہیں اس لئے کہ یہ تمام آیات
ڈرانے کے لئے ہیں پس انہیں ڈرانا نہیں بڑھاتا مگر بہت بڑی سرکشی کو ایسی سرکشی جو حد سے بڑھی ہو۔ (روح البیان ۔ت)

لغوی اشارے ✡ مَسْطُوْرًا : اسم مفعول واحد مذکر منصوب ۔ لکھا ہوا ▲ مُبْصِرَةً : اسم
فاعل، واحد مونث، حالت نصب، واضح اور روشن، واضح کرنے والی، دکھانے والی، خود روشن
اور دوسری چیزوں کو روشن کرنے والی، واضح، کھلی ▲ تَخْوِیْفًا : ڈرانا، خوف دلانا، بر وزن
تفعیل مصدر ہے ▲ اَحَاطَ : اس نے گھیر لیا، قابو میں کرلیا، اِحاطۃٌ سے جس کے معنی کسی شے
پر اس طرح چھا جانے کے ہیں کہ اس سے فرار ممکن نہ ہو۔ ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ (ل ق)

مفہومات مزید ✡ ہر ایک بستی قیامت سے پہلے ہلاک ہوجائے گی اپنے اپنے موقع پر طبعی موت سے
یا برے عذاب سے ● کفار مکہ نے دو مطالبے پیش کئے جو پورے ہوجائیں تو ایمان لانے کا کہا یعنی ایمان لے آئیں
ایک کوہ صفا سونے کا بن جائے دوسرا یہ کہ پہاڑ ہٹ جائیں تاکہ میدان بن جائے اور وہ کاشتکاری کرسکیں
کفار کے اس طرح کہنے پر فرشتہ پیام حق لے کر آیا کہ اگر ان کے مطالبات پورے کر دیے جائیں پھر بھی وہ ایمان نہ لائیں تو سخت
ترین عذاب نازل ہوگا یا پھر انہیں سوچنے کی مہلت دی جائے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عرض کی یا اللہ انہیں مہلت عطا فرما
● درخت زقوم جہنم میں پیدا ہوتا ہے اللہ تعالی کی یہ قدرت ہے کہ وہ آگ میں جہنم میں درخت اگاتا ہے
جیسا کہ سمندر نامی کیڑا آگ میں پیدا ہوتا ہے اور آگ ہی میں رہتا ہے اگر اسے آگ سے باہر نکالا جائے تو مر جاتا ہے
مفسرین نے لکھا ہے کہ سمندر ایک جانور ہے پیدا ہو کر آگ میں جلتا نہیں ہے اس کو سمندل لکھا گیا ہے (س م ح ش)

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ قَالَ ءَأَسْجُدُ لِمَنْ
خَلَقْتَ طِينًا ۝ قَالَ أَرَءَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ
إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَٰمَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُۥٓ إِلَّا قَلِيلًا ۝ قَالَ اذْهَبْ فَمَن
تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُورًا ۝

اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے، وہ کہنے لگا کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں کہ جس کو تو نے مٹی سے بنایا * کہا دیکھو تو سہی یہی وہ ہے کہ جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دی ہے اگر تو نے مجھے قیامت تک رہنے دیا تو میں بھی بجز تھوڑے سے لوگوں کے اس کی نسل کو قابو میں کر کے رہوں گا * فرمایا جا دفع ہو پھر جو ان میں تیری پیروی کرے گا تو ان کی اور تیری سب کی جہنم پوری سزا ہے * (ح:ت * ۶۱/۱۷ تا ۶۳)

۶۱۔ ابلیس نے اپنے انکار کی وجہ آدمؑ کی تخلیقی حالت کو قرار دیا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ سعیدؒ بن جبیر نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک مٹھی زمین کی خاک لی، شیریں بھی اور نمکین بھی اس سے آدمؑ کا پیکر (خاکی) بنایا * رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مٹھی خاک تمام زمین سے لی اور اس سے آدمؑ کو بنایا۔ پس اولاد آدم زمین کے مطابق ہوئی سرخ، سفید، سیاہ، درمیانی رنگ، نرم سخت، خراب، عمدہ اخلاق والے اسی وجہ سے ہوئے (احمد، ترمذی، ابوداؤد، بیہقی، حاکم) (تفسیر مظہری۔ ت)

● ابلیس ملعون کی آدم علیہ السلام اور اولاد آدم کے ساتھ عداوت کا ذکر ہو رہا ہے، اس کی عداوت کا آغاز تخلیق آدم علیہ السلام سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ چنانچہ سوائے ابلیس کے تمام فرشتوں نے (حکم کی تعمیل کی)۔ اس نے تکبر کیا اور خود کو عظیم سمجھتے ہوئے اور آدم علیہ السلام کو (خاکی) گردانتے ہوئے (تعمیل حکم سے) انکار کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

۶۲۔ خدا نے آدم کے لئے فرشتوں کو سجدہ تعظیمی کا حکم دیا سب نے سجدہ کیا۔ شیطان نے سجدہ سے انکار کیا آدم کو کمتر اور اپنے آپ کو بہتر سمجھ کر۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ سے کہا کہ میں اس کی اولاد کو کہ جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اپنے قابو میں کروں گا اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی۔ شیطان کو بنی آدم کی طبیعت معلوم تھی کہ وہ گمراہی کی طرف بہت جلد دوڑتے تھے پھر اس نے اس زعم

سے خدا تعالیٰ کے روبرو حسد میں بھر کر یہ بات کہی۔ اِلّا قلیلاً اس نے یہ سمجھ کر کہا کہ ان میں کچھ نیک بھی ہوں گے جن پر میرا قابو نہ چلے گا۔ احتناک کے معنی ستیاناس کر دینا کہتے ہیں احتنک فلان ما عند فلان۔ یہ بھی معنی ہیں قابو میں کر لینا تمام دنیا۔ ڈھاٹی دینا۔ مطلب یہ کہ ان کو بالکل قابو میں کر لوں گا۔ (بس میں کر لوں گا) (تفسیر حقانی)

۶۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے شیطان! تو اپنے برے طریقے پر چل اور انھیں جیسے چاہے گمراہ کرلے

ف: بحر العلوم میں ہے کہ یہ ذھاب۔ مجیء کی نقیض نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے ابلیس! جس کا تجھے ارادہ ہے تو بے شک پورا کرلے اور جس طرح تجھ سے ہو سکتا ہے تو اسے مجھ سے دور کرلے اور اسے نفس کی جملہ خواہشات کے باوجود اپنی طرف مائل کرلے یا یہ امر تہدیداً اور اہانتہً ہے جیسے جو تمہارا کہنا نہیں مانتا تم اسے کہتے جاؤ اور جو تیرا جی چاہے کرلے۔ ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ امر اہانت و ابعاد کا ہے یعنی شیطان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی درگاہ کے قرب سے ہٹا کر فرمایا: جا تو اپنے مقصد کے لئے جتنا جی چاہے زور لگالے * پس وہ جو ان میں سے تیری تابعداری کرے گا * تو بے شک تمہاری جزا جہنم ہے۔ یہاں مخاطب کا صیغہ تغلیباً ہے اور متبوعیۃ کے حق کی رعایت کی گئی ہے * تم مکمل جزاء دیئے جاؤ گے۔ اس کا منصوب ہونا فعل مضمر کی وجہ سے ہے۔ کاشفی نے اس معنی لکھا ہے کہ موفورا بمعنی جزاء تمام یعنی عذاب بردوام (روح البیان ج)

لغوی اشارے * سَجَدَ: اس نے سجدہ کیا، سُجُوْدٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے متعلق بعض نے تو یہ کہا ہے کہ فرشتوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو قبلہ قرار دیں اور بعض کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے فروتنی کریں اور ان کی اولاد کی مصالح کا بندوبست کرنے کا ان کو حکم ہوا تھا بجز ابلیس کے سب نے حکم مانا (الاتقان 17.) ▲ طِیْنًا: گارا، مٹی، خاک، مٹی اور پانی دونوں کا آمیزہ "طین" ہے جس کو فارسی میں گِل اور اردو میں گارا اور کیچڑ کہتے ہیں اور کبھی پانی کی قوت زائل ہو جانے کے بعد بھی اس کو طین ہی کہتے ہیں ▲ کَرَّمْتَ: واحد مذکر حاضر ماضی معروف تَکْرِیْم و مَکْرِمَۃ باب تفعیل عزت دینا۔ تعظیم کرنا، عیب سے پاک قرار دینا، کسی کو کریم کہنا (تاج و قاموس) ▲ لَاَحْتَنِکَنَّ: میں ضرور ڈھاٹی دے دوں گا۔ قابو میں کر لوں گا۔ تمام دے دوں گا۔ اِحتناک سے جس کے معنی ڈھاٹی دینے اور قابو میں کرنے کے ہیں صیغہ واحد متکلم مضارع با نون تاکید ہے ▲ مَوْفُوْرًا: اسم مفعول واحد مذکر وَفْرٌ مادہ پورا، پورا۔ پورا کیا ہوا ▲ وَفْرٌ (اسم) کثرت، مال کی زیادتی، سامان۔ وَفْرَۃٌ زیادتی کثرت۔ وَفْرَۃٌ کانوں تک آجانے والے بال۔ وفار جمع۔ (ل ق)

معلومات مزید * اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا * لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں * پیکرِ آدمؑ میں زمین کے
تمام حصوں کی مٹی شامل ہے۔ اسی لئے فرزندانِ آدمؑ میں سرخ و سفید، سیاہ اور درمیانی رنگت والے نرم و سخت،
اچھے اور برے سبھی طرح کے لوگ ہیں * آدم عربی اسم مذکر ہے اس کے معنی گیہواں، گندم گوں ہونا، پیشوا و
رہنما نکلتے ہیں۔ حضرت آدمؑ گندم گوں اور اپنی اولاد کے پیشوا تھے اس وجہ سے آدمؑ سے موسوم ہوئے *
بعض محققین آدم کو عجمی لفظ بتاتے ہیں جس میں باہمی یکسانی اور تطابق و اتفاق ہے * بعض کا کہنا ہے کہ
سطح زمین سے پیدائش ہوئی اس کے باعث آدمؑ کہلائے * آدم سریانی زبان کا لفظ ہے * آدم عربی نام ہے
* آدم کا اطلاق اولادِ آدم یعنی آدمی پر بھی ہوتا * سنسکرت آدا اور انگریزی میں ADAM ہے *
انجیل میں دال کے طول کے ساتھ پڑھا جاتا ہے * عبرانی زبان میں آدام کے معنی مٹی کے ہیں * قرآن مجید
میں حضرت آدمؑ کا نام متعدد بار آیا ہے * حضرت آدمؑ کو انسان سے بھی خطاب فرمایا گیا ہے * اللہ تعالیٰ
نے جیسا چاہا جب سے چاہا آدم کو پیدا کیا۔ جب رب پیکرِ آدم میں روح کو داخل ہونے کا حکم دیا،
آدمؑ کی آن کو گوشت پوست، ہڈیاں، رگ پٹھے اور تمام اعضاء و جوارح تیار ہو گئے۔ ساتھ ہی آدم
علیہ السلام کو حیات (وجود)، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر اور کلام یعنی سبع صفات کا مظہر
بنا دیا۔ جمعہ کے دن آدم علیہ السلام وجود پائے۔ جمعہ ہی کو زمین پر اتارے گئے، اور اسی دن
وفات پائی۔ شرف و فضیلت آدمؑ کے لئے یہی ایک بات دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو
ان کے آگے جھکنے کا حکم دیا۔ ابلیس کے سوا سب نے تعمیل ارشاد میں حضرت آدم کے آگے جھک گئے
اور نہ جھکنے کی پاداش میں ابلیس راندۂ بارگاہ حق ہوا (س م ع ش)

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ○ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ○ رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ○

اور گمراہ کرنے کی کوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے ان میں سے اپنی آواز (کی فسوں کاری) سے اور دھاوا بول دے ان پر اپنے گھوڑ سواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو جا ان کے مالوں میں اور اولاد میں اور ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا رہ اور وعدہ نہیں کرتا ان سے شیطان مگر مکر و فریب کا * جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا اور (اے حبیب!) کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارسازی کے لئے * تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لئے کشتیوں کو سمندر میں تاکہ تم تلاش کرو (بحری سفر کے ذریعہ) اس کا فضل بے شک وہ تمہارے ساتھ ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ (۱۷/۶۴ تا ۶۶ * ت: ض)

۶۴- اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے مہلت طلب کرنے پر اسے مہلت عطا کر دی جیسا کہ سورہ الحجر کی آیات ۳۷ اور ۳۸ میں ہے۔ یہاں فرمایا: اور گمراہ کرنے کی کوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے ان میں سے اپنی آواز سے۔ صوت سے مراد لہو و لعب اور غناء ہے یعنی جسے تو بہکا سکتا ہے، لہو و لعب اور گانوں کے ذریعے بہکا لے۔ حضرت ابن عباسؓ "صَوْتِكَ" کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی دعوت دے وہ شیطانی آواز ہے۔ (تفسیر طبری) ابن جریر نے اسی مفہوم کو پسند کیا اور مزید فرمایا "وَاَجْلِبْ" یعنی تو ان پر اپنے گھوڑ سوار اور پیادہ دستوں کے ساتھ یورش کر دے۔ رجل، راجل (پیادہ) کی جمع ہے مطلب یہ ہوا کہ ہر ممکن طریقے سے تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے ان پر دھاوا بول کر اپنا تسلط اور قبضہ قائم کر لے۔ جیسا کہ فرمان ہے "کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم نے کفار پر شیاطین کو مسلط کر دیا ہے؟ وہ انہیں ہر وقت اکساتے رہتے ہیں۔" (۱۹/ ۸۳) یعنی یہ انہیں بہکا کر اور مجبور کر کے گناہوں کے دلدل میں دھکیل دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سوار ہو اور پیدل ہو وہ شیطانی لشکر ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جن و انس

ہیں جو شیطان کے سوار اور پیادہ لشکری ہیں جو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ جب کسی کو چیخ کر آواز دی
جائے تو کہا جاتا ہے "اجلب فلان علی فلان"۔ اسی طرح جلبہ کا لفظ ہے جس کے معنی
شور و غل کرنا۔ حضرات ابن عباسؓ اور مجاہدؒ اس فرمان: "وشارکھم..." کا معنی بتاتے ہیں کہ
شیطان انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ اس سے
مراد سود ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں کہ خبیث مال جمع کر کے اسے حرام کاموں میں خرچ کرنا۔ عوفی حضرت
ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ شیطان کی اموال میں شرکت سے مراد ان کا اپنے مویشیوں کو حرام
قرار دینا ہے یعنی بحیرہ، سائبہ وغیرہ بنانا۔ بقول ابن جریرؒ یہ آیت عام ہے اور ان تمام مفاہیم کو شامل ہے
(تفسیر طبری) اور حضرات ابن عباسؓ، مجاہدؒ، ضحاکؒ کے مطابق اولاد میں شیطان کی شرکت سے مراد زنا
سے پیدا ہونے والی اولاد ہے۔ علی بن طلحہ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ
اولاد ہے جسے نادانی اور بیوقوفی سے قتل کر دیا تھا۔ حضرت حسن بصریؒ اس آیت کے متعلق کہتے
ہیں کہ شیطان نے انہیں مجوسی، یہودی اور نصرانی بنا کر غیر اسلام کے رنگ میں رنگ دیا اور ان کے
اموال کا ایک حصہ اپنے لئے مخصوص کروا لیا۔ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ اولاد میں شیطان کی شراکت کے سلسلے
میں کہنا سب سے زیادہ موزوں ہے کہ اس سے مراد وہ اولاد ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی نافرمانی
کا ارتکاب کیا جائے خواہ اس کا کوئی ایسا نام رکھا جائے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو یا اسے دین اسلام
کے علاوہ کسی اور دین کا پیرو بنا دیا جائے یا اسے قتل کر دیا جائے یا زندہ درگور کر دیا جائے یا اور
کوئی ایسا کام کیا جائے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ کی معصیت لازم آتی ہو تو یہ ایسے امور ہیں اولاد آدم
میں شیطان کی شراکت میں داخل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کو کسی خاص معنی کے ساتھ مخصوص
نہیں کیا ہر وہ چیز جس میں یا جس کے سبب معصیت الٰہی کا ارتکاب یا شیطان کی شرکت
لازم آتی ہو وہ شراکت میں ہے (ایضاً) یہ عمدہ توجیہ ہے اور اسلاف میں سے ہر ایک نے شرکت
کا جزوی مفہوم بیان کیا ہے۔ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے
بندوں کو موحد پیدا کیا لیکن شیاطین نے انہیں برگشتہ کر دیا اور ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جو
میں نے ان کے لئے حلال کی تھیں۔ (کتاب الجنۃ۔ صحیح مسلم) قیامت کے دن جب حق واضح ہو جائے گا
تو ابلیس کہے گا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اور میں نے بھی تم سے
وعدہ کیا تھا لیکن میں نے تم سے وعدہ خلافی کی۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

۶۵۔ بلاشبہ میرے (مخلص) بندوں (کے اغواء) پر تجھے قدرت نہ ہو گی اور تیرا رب (ان کی
حفاظت کا) ذمہ دار ہونے کے لئے کافی ہے یعنی جو مخلص بندے اللہ پر بھروسہ رکھیں گے اس کی پناہ

کہ خواستگار ہوں گے اور اپنے تمام امور اس کے سپرد کر دیں گے، اللہ ان کو اپنی حفاظت میں رکھے گا (
ان پر تیری دسترس نہ ہوگی) (تفسیر مظہری۔ ست)

۶۶۔ انسان کے اوپر جو کچھ اللہ کے احسانات ہیں وہ بے انتہا ہیں ان میں سے وہ احسانات موقع بموقع
بندوں کو یاد دلا کر اپنا وحدہ لا شریک لہ ہونا ثابت کیا کرتا ہے جو ان کے نزدیک زیادہ تر قابل
التفات ہوتے ہیں اس موقع پر عرب کو ان کے سفر و حضر کے انعامات یاد دلاتا ہے۔ عرب یا دریا میں
سفر کرتے تھے یا خشکی میں اور اب بھی یہی حال ہے دریا کا سفر کشتی کے ذریعہ ہوتا ہے خواہ وہ پرانی
ہو یا خواہ دخانی جو اس زمانے میں ایجاد ہوئی ہے۔ اب سمندر کی ایسی پہاڑوں جیسی موجوں میں ایک تنکے
کے برابر یہ جہاز یا کشتی جو سو فردوں اور تجارتی مال لے کر آتا جاتا ہے اسی کو اسی کا ید قدرت
چلاتا ہے۔ رحیانا تک یہی مضمون ہے (تفسیر حقانی)

لغوی اشارے ★ اِسْتَفْزِزْ: تو گھبرا لے۔ استفزاز سے۔ جس کے معنی گھبرا لینے کے آتے ہیں
امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ▲ اِسْتَطَعْتَ۔ تجھ سے ہو سکا۔ تو کر سکا۔ اِسْتِطَاعَةٌ سے۔ ماضی
کا صیغہ واحد متکلم ▲ صَوْتِكَ: تیری آواز، تیرا آواز کرنا، صوت مضاف كَ ضمیر واحد مذکر
حاضر مضاف الیہ ▲ اَجْلِبْ: لے آ، چڑھا لا۔ اجلاب سے جس کے معنی اکٹھا کرنے، شور مچانے
اور کھینچ لانے کے ہیں۔ امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ▲ رَجِلِكَ: تیرے پیادے، رَجِلٌ۔ مضاف كَ
ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ ▲ رَجِلٌ راجلٌ کی جمع ہے ▲ شَارِكْهُمْ: تو ساجھا کر ان سے، تو
ان کا شریک ہو جا ▲ الْغُرُوْر: صیغہ صفت، دھوکہ دینے والا، جھوٹی امید دلانے والا (منجد) مال ہو یا دنیا
یا خواہش نفس یا شیطان (المفردات وزبدہ عین الشعراء) صاحب ضیاء نے شیطان مراد لیا ہے (ل ق)
(اے ابلیس)

مفہومات مزید ★ جلد ق مراد دوزخ، اولاد آدم میں سے جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے گمراہ کر لے اپنی آواز
وسوسے کے شر اور تفنن کی طرف بلانے سے اور سواروں اور پیادوں کو اپنی طرف کھینچ لے، اموال کے
حصول اور جمع کرنے پر برانگیختہ کرنے میں کہ وہ حرام طریقوں سے مال جمع کریں اور پھر غیر مشروع طریقوں
سے ان اموال کو خرچ کریں۔ اولاد کو زندہ در گور کرنے یا ان کے متعلق شرک کا ارتکاب کرنے، باطل
ادیان یا الفنی مواعید باطلہ کا وعدہ دے۔ شیطان کبھی وعدہ پورا نہیں کرتا وہ دھوکہ دیتا ہے۔ (د)
○ اللہ کے مخلص بندوں پر (اے ابلیس) تیرا کوئی تسلط نہیں اور نہ ہی تو انہیں گمراہ کر سکتا ہے۔ اللہ پر
توکل کرنے والے متوکلین کے لئے رب تعالیٰ کارساز کافی ہے ○ تمہارا پروردگار وہ قادر و حکیم ہے جو
چلاتا ہے کشتیوں کو تمہارے منافع کے لئے دریا میں تاکہ تم تلاش کرو اس کا فضل و کرم بے شک وہ
تمہارے لئے رحیم ہے۔ (س م ح ش)

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّآ إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ
إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ۝ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَّخْسِفَ
بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ۝
أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُّعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا
مِنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ۝

اور جب تمہیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے تو جنہیں تم پکارا کرتے ہو سب غائب ہو جاتے ہیں بجز اللہ کے پھر جب وہ تم کو خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو تم (پھر) پھر جاتے ہو، انسان بڑا ہی ناشکرا ہے * کیا تم اس سے بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ تم کو خشکی کی طرف لا کر زمین میں دھنسا دے یا تم پر کوئی تند ہوا بھیج دے تو تم کسی کو (بھی) اپنا کارساز نہ پاؤ * کیا تم اس سے بے کھٹکے ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں ایک بار پھر اسی (یعنی سمندر کی) طرف لے جائے اور تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے۔ پھر تمہاری ناشکری کے باعث غرق کر دے اور تم کو اس بات پر ہمارا پیچھا کرنے والا نہ ملے۔

(۱۷/۶۷ تا ۶۹ * ت: م)

ے۔ سمندری سفر کے دوران جب لوگ کسی مصیبت کا شکار ہو جاتے ہیں تو وہ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اسی لئے فرمایا: وَإِذَا مَسَّكُمُ ... یعنی اس سنگین صورتحال میں تمہارے دل سے ان تمام معبودوں کا خیال محو ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو جیسا کہ عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ ایسا ہی اتفاق ہوا، فتح مکہ کے موقع پر وہ جان بچا کر فرار ہو گیا اور حبشہ جانے کی غرض سے کشتی پر سوار ہو گیا۔ دوران سفر سخت آندھی آ گئی اور کشتی طوفان میں پھنس گئی، کشتی کے سوار ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اب نجات کی سبیل یہی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ عکرمہ نے اپنے دل میں کہا: اللہ کی قسم! اگر سمندر میں وہی کام آتا ہے تو ظاہر ہے خشکی میں بھی صرف وہی کام آ سکتا ہے۔ اے اللہ! میں تیرے ساتھ پختہ عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے اس مصیبت سے بخیر و عافیت نکال دیا تو میں ضرور جا کر اپنا ہاتھ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھوں میں دے دوں گا اور میں یقیناً انہیں مہربان اور رحیم پاؤں گا۔ چنانچہ وہ صحیح سلامتی سے کنارے تک پہنچ گئے، عکرمہ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور

بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے (سنن ابی داؤد، مستدرک حاکم) فرمایا: فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ ..... یعنی جب اللہ تعالیٰ تمہیں ساحل تک بعافیت پہنچا دیتا ہے تو تم اس کی توحید کو فراموش کر دیتے ہو جس کا اعتراف تمہیں سمندر میں ہوا تھا اور تم اللہ وحدہ لاشریک کو پکارنے سے روگردانی کرنے لگ جاتے ہو اور انسان کی فطرت ہی یہی ہے کہ وہ احسانات کو فراموش کر دیتا ہے بلکہ ان کا انکار کر دیتا ہے۔ سوائے ان سعادت مند حضرات کے جنہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے (تفسیر ابن کثیر۔ ت)

۶۸۔ "کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ اللہ تعالیٰ دھنسا دے تمہارے ساتھ خشکی کے کنارہ کو یا بھیج دے تم پر اولے برسانے والا بادل پھر اس وقت تم نہیں پاؤ گے اپنے لئے کوئی کارساز"۔ اَفَاَمِنْتُمْ میں ہمزہ انکاری ہے اور فاء عاطفہ ہے۔ اس سے پہلے کلام محذوف ہے اَنَجَوْتُمْ فَاَمِنْتُمْ۔ یعنی کیا تم نجات پا چکے ہو اور بے خوف ہو گئے ہو۔ اس بے خوفی نے تمہیں توحید سے اعراض پر برانگیختہ کیا ہے۔ لیکن تمہیں اتنا بے خوف ہونا نہیں چاہیے تھا۔ کیونکہ جو سمندر میں تمہیں غرق کرکے ہلاک کرنے پر قادر ہے تو وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ خشکی کے کنارے کو دھنسا دے جبکہ تم اس کے اوپر ہو یا خشکی کے کنارہ کو تمہارے سبب سے دھنسا دے اور تمہیں ہلاک کر دے۔ بِکُمْ یا حال ہے یا فعل کے متعلق ہے۔ یا تم پر ایسی ہوا بھیج دے جو تم پر چھوٹے چھوٹے کنکر برسائے پھر تم اپنے لئے کوئی ایسا محافظ نہ پاؤ گے جو تمہیں اس عذاب سے بچا سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فعل کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری۔ ت)

۶۹۔ یا تم بے خوف و خطر ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ دوبارہ دریا میں لوٹا دے اگرچہ تم سمجھتے ہو کہ اب تم دریا سے نکل کر جنگلوں میں صحیح و سالم پہنچ گئے ہو۔ تَارَةً ۔ باری، اُخریٰ ۔ دوسری۔ وہ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایسے اسباب پیدا کر دے کہ جن سے تم دوبارہ کشتیوں پر سوار ہو کر دریائی سفر کے لئے مجبور ہو جاؤ۔ اس طرح جب تم کشتیوں پر سوار ہو تو وہ تمہیں دریا میں ڈبو دے۔ (ف) اس میں اشارہ ہے کہ انہیں دریائی سفر سے بہت سخت تکلیفیں پہنچیں اسی لئے اسے اعادہ سے تعبیر کیا تھا کہ اگر قدرتی طور پر لوٹائے نہ جاتے تو وہ از خود دریائی سفر کے نام لینے تک کے بھی روادار نہیں۔ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ تو تمہارے اوپر بھیجے در آں حالیکہ تم دریا میں ہو زور دار آندھی۔ ایسی آندھی کہ جہاں سے گزرے وہاں کی ہر شے کو نہ صرف جڑ سے کاٹ دے بلکہ اسے تہس نہس کر دے۔ پھر تمہیں غرق کر دے یعنی ایسی آندھی کہ جب تم پر آئے اور تمہیں چور چور کرکے دریا میں ڈبو دے جیسا ریح، قاصف کا تقاضا ہے بوجہ تمہارے کفر کے یعنی تمہارے شرک کرنے اور نجات پا جانے کی نعمت کے کفران کی وجہ سے پھر تم نہ پاؤ اپنے لئے ہمارے اوپر اس غرق کرنے پر کوئی پیچھا کرنے والا تاکہ تمہارے لئے ہم سے

بدلہ لے۔ یا تشبیہ ہے ہمارا عذاب ٹالے۔ (تفسیر روح البیان ۔ ت)

لغوی اشارے ✶ نَشُكُم : نَشُ فعل ماضی واحد مذکر، کُم ضمیر مفعول ۔ تم کو پہنچ جاتا ۔ تم کو پہنچتی ہے ▲ بَحْر : دریا، سمندر، بحر اصل میں اس وسیع مقام کا نام ہے جہاں بہت کثرت سے پانی ہو اور اسی اعتبار سے سمندر کو بحر کہتے ہیں ۔ سمندر میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک پانی کی کثرت اور وسعت اور دوسرے نمکینی اور کھارا پن ۔ ان ہی دونوں مفہوموں کے لحاظ سے کبھی بحر کا استعمال کسی چیز کی زیادتی اور وسعت کے متعلق ہوتا ہے اور کبھی ملاحت و نمکینی کے سلسلہ میں ۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کو لے کر جس سمندر کو پار کیا تھا وہ بحر احمر (قلزم) تھا ▲ ضُرّ : بلا، سختی، برائی، ضرر، ایذا، تکلیف، نقصان اسم ہے ۔ راغب رقمطراز ہیں ۔ ضُرّ بمعنی بدحالی ہے خواہ اپنے نفس (اندرون) میں ہو بسبب علم وفضل اور عفت کی کمی ہونے کے خواہ اپنے بدن میں کسی عضو کے نہ ہونے کے باعث یا کسی نقص کی بناء پر خواہ حالت ظاہری میں بوجہ مال وجاہ کی قلت کے ▲ ظَلَّ : ہو گیا، رہا (فتح، سمع) ظَلّ اور ظُلُولٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب "ظل" اور "ظلول" کے معنی دن میں کسی کام کو انجام دینے کے ہیں واضح رہے جس طرح بَاتَ یَبِیتُ کا استعمال رات گزارنے کے لئے ہوتا ہے اسی طرح ظل یظل کا استعمال دن گزارنے کے لئے ہوتا ہے ۔ امام راغب کہتے ہیں کہ جو چیز دن میں کی جائے اس کی تعبیر ظَلَّ سے کی جاتی ہے ▲ بَرّ : خشکی ۔ زمین ۔ خشکی ۔ بحر کی ضد ہے (لغات القرآن)

مفہومات مزید ✶ واذا مسکم یہ وہ حالت اضطراب ہے جو دریا میں کبھی کبھی پیش آجاتی ہے وہ یہ کہ طوفان میں مبتلا ہو جاتے ہیں سو ایسے موقع پر انسان اپنے فطری قاعدہ سے پھر اسی معبود برحق کی طرف التجا کرتا ہے اور سب فرضی معبودوں کو بھول جاتا ہے (ت) ✶ جب خشکی پر آجاتے ہیں تو (حق سے) روگردانی کرتے ہوئے پھر اپنے باطل معبودوں کی طرف رجوع ہو جاتے اسی لئے انسان کے متعلق فرمایا کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ● کیا تم اس سے امن میں ہو یعنی بے فکر ہو کہ تم کو خشکی یعنی زمین ہی میں دھنسا دیا جائے جیسے کہ قارون کو دھنسا دیا گیا تھا (ت) یا تم پر پتھروں کی بارش کی جائے جیسے کہ قوم لوط پر ہوئی تھی پھر تم اپنے آپ کو اس عذاب سے بچانے کے لئے کوئی ذریعہ نہ پاسکو گے کوئی تمہارا بچانے والا مددگار نہ ہوتا ● یہ ممکن ہے کہ تمہیں پھر ایک بار بحری سفر درپیش ہو جائے اور تم کشتی میں سوار ہو کر ساحل سے بہت دور سمندر کے گہرے پانیوں میں پہنچ جاؤ کہ یکایک جھکڑ چلنے لگے اور ہوائیں تیز و تند آندھی آجائے جو کشتی کو توڑ دے نہس نہس کر دے (تمہاری ناشکری اور مسلسل نافرمانی کے باعث تو) اس وقت تم کیا کرو گے لاکھ چلاؤ فریادیں کرو عفو طلبی کرو تائب ہونے کا عہد کرو لیکن کیونکہ ہو سکے گا نہ تمہاری دادرسی ہوتی نہ التجائیں قبول ہوتیں کیونکہ اور یہ تمہاری ناشکری وکفر کے سبب ہوتا لہٰذا نافرمانی، احسان فراموشی اور کفران نعمت سے باز آجاؤ اللہ کا غضب ہمیشہ برنریدہ رہو شرک وکفر سے باز رہو ۔ بار بار نافرمانی کا ارتکاب نہ کرو ۔ ایمان پر استقامت کے ساتھ قائم رہنا ہی سعادت ہے ۔

(س م ح ش)

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ
الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ يَوْمَ نَدْعُوْا
كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖٓ
اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

اور بیشک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزیں روزی دیں اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا * جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے ، تو جو اپنا نامہ داہنے ہاتھ میں دیا گیا یہ لوگ اپنا نامہ پڑھیں گے اور تاگے بھر ان کا حق نہ دبایا جائے گا * اور جو اس زندگی میں اندھا ہو وہ آخرت میں اندھا ہے اور اور بھی زیادہ گمراہ۔

(١٧/ ٧٠ تا ٧٢ * ت : ک)

٧٠ ۔ آدمی کو بہت خاص نعمتیں عطا کیں ۔ حسن صورت ، سب سے زیادہ معتدل مزاج ، قد کا اعتدال ، عقل سے اشیاء میں امتیاز ، زبان ، تحریر اور اشاروں سے سمجھانے کی قوت ، معاش و معاد کی ہدایت ، زمین کے موجودات پر تسلط یعنی تمام چیزوں سے کام لینا اور مختلف ہنر اور پیشے اور تمام مادی عنصری اور فلکی کائنات کا ربط تاکہ انسان کو مختلف منافع حاصل ہوں اور اسباب رزق فراہم ہوں ، پھر دوسرے جانوروں کے برخلاف آدمی کو ہاتھ سے اٹھا کر اور پکڑ کر کھانے کی تعلیم ۔ یہ تمام امور انسان کے لئے مخصوص کئے ، پھر محبت و عشق کا جذبہ ، معرفت وحی اور مراتب قرب کی عطا بھی انسان پر خاص کرم ہے ۔ حاکم نے تاریخ میں اور دیلمی نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انگلیوں سے کھانا کھی (انسان کے لئے اللہ کی طرف سے) عزت بخشی ہے ۔ حَمَلْنٰهُمْ کا یہ معنی ہے کہ دریا اور خشکی میں سوار ہونے کے لئے ہم نے سواریاں عطا کیں ، خشکی میں چوپائے (علاوہ ازیں موٹر ، ریل وغیرہ) اور دریا میں کشتیاں جہاز ۔ حَمَلْنٰهُ حملہ میں سوار ہونے کے لئے اس کو سواری دی ۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے آدمیوں کو سوار کیا تاکہ زمین کے اندر پاؤں نہ دھنسیں اور پانی میں ڈوب نہ جائیں ، دونوں مصیبتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے سواریاں بنائیں ۔ الطَّيِّبٰتِ سے مراد ہیں لذیذ نفیس کھانے پینے کی چیزیں

فَضَّلْنَاهُمْ: لغت میں فضل کا معنی ہے زیادتی، اس جگہ ثواب اور مراتب قرب کی زیادتی مراد ہے
ہُمْ میں ضمیر بنی آدم کی طرف لوٹ رہی ہے مگر مراد کل بنی آدم نہیں بلکہ صرف اہل ایمان مراد ہیں
آیت میں صرف مومن اس وجہ سے مراد ہیں کہ کافروں کو اللہ نے دوسری مخلوق پر برتری نہیں عطا
فرمائی، کافر تو اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔ اللہ نے ان کو "شَرُّ الْبَرِيَّة" (بدترین خلق)
قرار دیا ہے۔ ظاہر آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ نے انسان کو کل مخلوق پر برتری نہیں عطا فرمائی
بلکہ کثیر مخلوق سے افضل بنایا ہے۔ اس موضوع پر علماء کے اقوال میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کا
خیال ہے کہ ملائکہ پر انسان کو فضیلت نہیں دی گئی باقی مخلوق سے انسان کو افضل بنایا گیا ہے
کلبی نے کہا سوائے چند ملائکہ کے باقی فرشتوں سے بھی انسان کو برتری حاصل ہے۔ جبرئیلؑ، میکائیلؑ
اسرافیلؑ اور ملک الموت کے علاوہ سب پر انسان کو فضیلت دے دی گئی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں
کہ لفظ کثیر سے کل مراد ہے یعنی تمام ملائکہ پر بھی انسان کو فضیلت دی گئی ہے۔ ایسا استعمال دوسری
آیت میں بھی ہوا ہے "وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ" میں اکثر سے مراد کل لوگ ہیں۔ حدیث شریف میں
آیا ہے کہ جب اللہ نے آدمؑ کو اور ان کی ذریت کو پیدا کر دیا تو فرشتوں نے عرض کیا اے رب تو
نے ان کو پیدا کر دیا (اس طرح اور ان طاقتوں کے ساتھ کہ) وہ کھائیں گے، پیئیں گے، مباشرت کریں گے
اور سواریوں پر سوار ہوں گے، پس ان کے لئے تو دنیا (کے آرام) کر دے اور ہمارے لئے آخرت خاص
کر دے۔ اللہ نے فرمایا جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس کے اندر اپنی روح کا کچھ حصہ پھونکا
اس کو اس مخلوق کی طرح نہیں کروں گا جس کو پیدا کرنے کے لئے میں نے کن کہا اور وہ ہو گئی۔
(رواہ البیہقی فی شعب الایمان) (تفسیر مظہری)

اے۔ جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے یعنی جس کا وہ دنیا میں اتباع کرتا تھا
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے وہ امام زمان مراد ہے جس کی دعوت پر دنیا میں لوگ
چلے خواہ اس نے حق کی دعوت دی ہو یا باطل کی۔ حاصل یہ ہے کہ ہر قوم اپنے سردار کے پاس جمع ہو گی
جس کے حکم پر دنیا چلتی رہی اور انہیں اسی کے نام سے پکارا جائے گا کہ اے فلاں کے متبعین۔ تو جو
اپنا نامہ داہنے ہاتھ میں دیا گیا یہ لوگ اپنا نامہ پڑھیں گے نیک لوگ جو دنیا میں صاحب بصیرت تھے
اور راہ راست پر رہے ان کو ان کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اس میں نیکیاں اور طاعتیں
دیکھیں گے تو اسے ذوق و شوق سے پڑھیں گے اور جو بد بخت ہیں کفار ہیں ان کے نامہ اعمال بائیں ہاتھ
میں دیئے جائیں گے وہ انہیں دیکھ کر شرمندہ ہوں گے اور دہشت سے پوری طرح پڑھنے پر قادر نہ
ہوں گے۔ اور تاگے بھر ان کا حق نہ دبایا جائے گا یعنی ثواب اعمال میں ان سے ادنیٰ بھی کمی نہ کی جائے گی۔ (کنزالایمان حاشیہ)

۷۲ - اور ان بلائے ہوئے لوگوں میں سے جو ہوتا اس دنیا میں ۔ اَعمٰی اس سے قلب کا اندھا ہونا ہے اس معنی یہ ہوا کہ اس کا دل راہِ صواب نہیں دیکھتا تھا پس وہ آخرت میں اندھا ہوگا یعنی اسے راہِ نجات نصیب نہ ہوگی اور یہ ظاہر ہے کہ جسے راہِ ہدایت نصیب نہ ہوئی اسے نجات کب نصیب ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ کافر کو قیامت میں بہشت کا راستہ نہ ملے گا اور نہ ہی عاصی کو مطیع کا مرتبہ ملے گا بلکہ وہ ایسے مقامات پر پہنچنے سے قاصر ہے اور وہ دنیوی نابینا کی بہ نسبت راہ نہ پانے سے بھی زیادہ گمراہ ہوگا اس لئے کہ اس کی استعداد زائل ہو جاتی ہے اور اسباب و آلات بھی مفقود ہو جائیں گے اور نہ ہی اس کو اس کے حصول کی مہلت نصیب ہوگی ۔ (روح البیان ـ ت)

لغوی اشارے ✶ کَرَّمْنَا : جمع متکلم ماضی معروف، تَکْرِیمٌ مصدر ۔ ہم نے عزت دی ▲ حَمَلْنٰھُمْ : ہم نے ان کو چڑھایا، ہم نے ان کو سواریاں دیں، اس میں ھم ضمیر جمع مذکر غائب ہے ▲ اِمَامِھِمْ : ان کا پیشوا ۔ ان کا سردار ۔ امام مضاف ھم ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ ▲ یَمِیْنِہٖ : اسم موصوف مضاف مجرور ۔ ہ ضمیر مضاف الیہ ۔ اس کے سیدھے ہاتھ میں ۔ اس کی قدرت میں ▲ فَتِیْلًا : باریک تاگہ، ڈورہ جو دو انگلیوں میں پکڑ کر بنا جاتا ہے، کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں جو ڈورا یا سوتا ہوتا ہے وہ بھی فتیل کہلاتا ہے مراد حقیر، قلیل ▲ اَعْمٰی : اندھا ۔ عَمًی سے جس کے معنی بینائی کے مفقود ہو جانے کے ہیں صفت مشبہ کا صیغہ ۔ بینائی دل کی جاتی رہے یا آنکھوں کی، دونوں کے لئے عَمًی کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ قرآن مجید میں جہاں نابینائی کی مذمت کی گئی ہے وہاں چشم بصیرت ہی کے جاتے رہنے کے معنی ہیں ✶ حسب مقتضائے کلام دونوں معنی لئے جا سکتے ہیں (لغات القرآن)

مفہومات مزید ✶ اللہ نے بنی آدم کو ہر لحاظ سے عزت بخشی ۔ بہ اعتبار ذات، بدن، شکل و صورت، اعضاء و جوارح، نطق و شعور، علم و ہنرمندی، اوصاف و خصائل، انس و محبت، احساس و دردمندی وغیرہ تمام مخلوقات میں اسے باعزت بنایا ۔ علاوہ ازیں دریائی اور صحرائی، زمینی و فضائی سفر کے لئے سواریاں اور سفر و حضر ہر حال میں عمدہ غذائیں بہترین چیزیں کھانے کے لئے عطا کیں اور بہت ساری مخلوقات پر انسان کو برتری بخشی ● روزِ محشر لوگوں کو ان کے مقتداؤں کے ساتھ طلب فرمایا جائے گا ۔ انہیں ان کے نبیوں کے ساتھ بلائے جائیں گے جو اہل حق، ایماندار، سعادت مند اور صالح ہوں گے ان کے نامہ اعمال ان کے داہنے (سیدھے) ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور وہ بصد مسرت اپنے نامے پڑھیں گے اور کسی پر تاگہ برابر زیادتی نہ ہوگی اور نہ ان کا حق روکا جائے گا ● جو کوئی دنیا میں قرأت و رایت بالبصیرت سے اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا ۔ آج دنیا میں جس کا دل اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اندھا ہوگا وہ قیامت میں بھی رویت حق سے محروم رہے گا اور وہ بہت زیادہ گمراہ ہے ۔ (سید محمد حمید الدین شرفی)